صفحہ 56: دیگر کلمے بھی احادیث مبارکہ میں پائیں گے۔

شش کلموں میں سے ''دیگر کلمے'' (بطور کلمہ) خودساختہ ہیں۔

صفحہ 58: رکوع صرف اسلام کا امتیاز ہے۔

ظاہراً اسلام سے مراد ''امت محمدیہ'' ہے، پس یہ دعویٰ درست نہیں ہے، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿یامریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین﴾ [آل عمران ٤٣]

صفحہ 59: اذان کا ذکر قرآن میں صرف ایک جگہ ہے۔

﴿وإذا ناديتم إلى الصلوٰة﴾ [المائدة ٥٨]، ﴿إذا نودی للصلوٰة﴾ [الجمعة ٩]

صفحہ 62: اللہ کو صرف ''اللہ تعالیٰ'' کہنے پر برصغیر کے کسی عالم کی ایک سطر بھی نہ ملے گی۔

(١) قاضی محمد سلیمان منصورپوریؒ کا حوالہ تو خود مصنف نے اسی کتاب کے آخر میں دیا ہے۔

(٢) حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ: صرف ''اللہ'' کا لفظ استعمال ہونا چاہیے، دوسرا کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس کے قائم مقام ہو سکے۔ [ہفت روزہ الاعتصام جلد 57 شمارہ 34 2-8 ستمبر 2005ء۔ بحوالہ: واضح البیان]

(٣) بہاولنگر سے جناب محمد اظہر ملک نے بھی 2004ء میں اس موضوع پر ایک مختصر پمفلٹ ارسال کیا تھا۔

صفحہ 65: روزے کی نیت کے الفاظ سنت سے ملتے ہیں۔

یہ الفاظ خانہ ساز ہیں، سنت میں صرف ''حج وعمرہ'' کی نیت کے الفاظ ثابت ہیں۔

صفحہ 69: جمعہ میں منبر پر بیٹھ کر وعظ وتقریر کرنا ''سنت'' ہے۔

یہ وعظ وتقریر بھی خودساختہ ہے اور بیٹھ کر خطبہ دینا بالکل ثابت نہیں۔ ﴿وتركوك قآئما﴾ [سورة الجمعة: ١١]

صفحہ 110: صرف ایک معبود کی عبادت کریں۔

''معبود'' کا لفظ عام ہے، اس پر ''حقیقی'' یا ''برحق'' کا لفظ بڑھانا چاہیے۔

صفحہ 133-134: سجدہ تحیت یا تعظیمی بعض ہندوستانی مشائخ عظام کے ہاں جائز ہے۔

مصنف نے عدم جواز کو ترجیح تو دی ہے، لیکن نہایت عاجزانہ ونیازمندانہ انداز میں!!

تعلیم کیوں اور کیسے؟

ماسٹر عبداللہ عبدالسلام غواڑوی

دنیا کے ہر مذہب میں تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے ہمارا دین اسلام، جو کہ ایک مکمل ضابطہ حیات بھی ہے حصول علم پر اس قدر زور دیتا ہے کہ ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو پہلی وحی غار حرا میں نازل ہوئی وہ پڑھنے اور علم حاصل کرنے کے بارے میں تھی۔[العلق ۱۔۵]

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کی تخلیق سے پہلے قلم کو پیدا فرما کر اُسے حکم دیا کہ سارے احوال لکھ ڈالو۔[ابو داؤد السنة باب ۱۷ فی القدر ح ۴۷۰۰، الترمذی القدرباب ۱۷ تفسیر سورة القلم ح ۳۳۱۹ وقال حسن غریب، احمد ۵/ ۲۱۷]

جب کچھ بھی نہ تھا صرف اللہ بزرگ و برتر کی ذات موجود تھی۔ پھر زمین و آسمان بنائے گئے۔ ان کی خوبصورتی کے لیے ستارے اور سیارے تخلیق کیے گئے، کہکشانیں بنائی گئیں۔ ان کے علاوہ جنت اور جہنم پیدا کیے گئے۔ پھر مخلوقات کو پیدا فرمایا گیا۔ جن وانس کے علاوہ ملائکہ اور دیگر لاتعداد مخلوقات جو خالق کی عظمت کا منہ بولتا شاہکار تھیں پیدا کی گئیں۔ پھر کچھ وقت ان کو دیا گیا کہ وہ اپنے جلیل القدر رب کی بندگی کا حق کہاں تک ادا کرتی ہیں اور اس آزمائشی مدت کے گزر جانے کے بعد اس دینائے فانی کے خاتمے تک کی پوری کہانی الف سے یا تک لکھ دینے کا حکم قلم نے بحسن وخوبی پورا کر دکھایا۔

قرون اولیٰ میں دین کا علم اس قدر اہمیت اختیار کر گیا تھا کہ لوگوں کا اوڑھنا بچھونا علم تھا۔ صرف ایک لفظ سیکھنے کے لیے تشنگانِ علم سینکڑوں میلوں کا سفر کیا کرتے تھے۔ جب تک علم مسلمانوں کی میراث رہی دنیاوی آسائشیں ایک لونڈی کی طرح مسلمانوں کے تصرف میں رہیں، پھر عیش وتنعم میں پڑ کر حصول علم کو خیر باد جو کہا تب سے اب تک ہم دوسروں کی ٹھوکروں میں ہیں اور تب تک رہیں گے جب تک ہم اپنی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے حصول علم کی طرف راغب نہ ہو جائیں۔

مشہور مغربی مفکر تعلیم پروفیسر جان ڈیوی لکھتے ہیں ''علم کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ نہیں، بلکہ بجائے خود ایک مقصد عظیم ہے۔'' تعلیم کے متعلق مختلف مفکرین کی آراء کا ناچیز نے جتنا مشاہدہ کیا ہے، اس سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ''تعلیم کا مقصد انسانی فکر وعمل میں مثبت تبدیلی لانا ہے۔''

آج کے دور کو سائنس وٹیکنالوجی اور کمپیوٹر کا دور کہا جاتا ہے۔ آج انسان نے اپنے چھوٹے سے سیارے سے نکل

کر خلا کی وسعتوں کا کھوج لگانا شروع کر دیا ہے، یورپ کی ترقی سے ہر آدمی مرعوب ہے، آئے روز نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں ہزاروں نوری سالوں کے فاصلے کی خبریں دنیا کو سنائی جا رہی ہیں اور نئے نئے انکشافات کی توقع کی جا رہی ہے۔

تعلیمی اداروں میں ہر مقرر طلباء کو حصول علم کے نتیجے میں سائنسدان، ڈاکٹر اور انجینئر بننے کی خوش خبری دیتا ہے۔ فرض کریں کہ سارے کے سارے اگر سائنسدان بن گئے تو کیا دنیا کا نظام چلے گا؟ سب ڈاکٹر یا پھر انجینئر ہو گئے تو پھر کھائیں گے کیا؟ سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے ملک کو بالخصوص اور پوری دنیا کو بالعموم صرف سائنسدانوں، ڈاکٹروں یا انجینئروں کی ضرورت ہے.....؟ ☆

میرے خیال میں ہمیں ان کے علاوہ سیاستدانوں، جرنیلوں، کسانوں، تاجروں اور کارخانہ داروں سب کی ضرورت ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی نائی نہ ہو تو کیا ہوگا؟ میرا مقصد سائنسدانوں، ڈاکٹروں یا انجینئروں کی اہمیت کی نفی کرنا ہرگز نہیں ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم نئی نسل کو ''اچھا اور بڑا آدمی'' بننے کا تصور دیں' جو نیکی کی طرف راغب ہو، بدی سے پرہیز کرتا ہو، صالح ہو، لوگوں کے کام آتا ہو، کسی کو اُس سے تکلیف نہ پہنچتی ہو تو یہ زیادہ حقیقت پسندانہ ترغیب ہے۔

جو کچھ علم، جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے سکھلایا ہے اُسے چاہئے کہ وہ پوری ایمانداری سے اُس پر خود عمل کرے اور دوسروں تک اُسے پھیلانے میں قطعاً بخل یا کنجوسی سے کام نہ لے۔ کیونکہ ایک حدیث پاک میں اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ ''تم سے میں بہترین آدمی وہ ہے جو خود قرآن پڑھتا ہے اور دوسروں کو پڑھاتا ہے۔'' [بخاری فضائل القرآن باب ۲۱، الترمذی ثواب القرآن باب ۱۵] موجودہ وقت میں تعلیم ایک مہنگی شے بنا دی گئی ہے۔ جس طرح ہوا پانی اور غذا بنیادی ضروریات ہیں، انہی کی طرح چوتھی بنیادی اہمیت کی حامل ضرورت ''تعلیم'' ہے۔ جاہل آدمی نہ اپنے آپ کو پہچان سکتا ہے اور نہ اللہ کو۔ یہاں تک کہ ان پڑھ شخص اپنی جہالت سے بسا اوقات اللہ کا دشمن بھی بن جاتا ہے۔

بے شمار تعلیمی مدارس مملکت پاکستان میں جا بجا کھلے ہوئے ہیں جن کی تعداد بلاشبہ لاکھوں میں ہے۔ ہر ایک کا دعویٰ یہی

☆ دراصل ہر شعبہ تعلیم میں اعلیٰ نصب العین کو مدنظر رکھ کر تعلیم و تربیت دینے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس بلند مقصد تک ایک فیصد بھی بمشکل پہنچتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں طالبانِ علم کے مقاصد، رجحانات اور محنت کو دیکھ کر دنیا کے مستقبل کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کی ساری ضروریات کا کفیل ہے۔ دینی تعلیم میں بھی ہر طالب علم کو مفسر، محدث اور فقیہ بننے کے لیے عملی طور پر تیار کرایا جاتا ہے، پھر اس نصب العین تک رسائی شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ (ابو محمد)

ہے کہ ہمارے ہاں معیاری تعلیم دی جاتی ہے، جدید علوم پڑھائے جاتے ہیں، سائنس و کمپیوٹر کی کلاسیں جاری ہیں۔ وغیرہ

عقل حیران ہے کہ اب تک ہزاروں بلکہ لاکھوں سائنسدان ملک میں پیدا ہو جانے چاہیے تھے اور نئی ایجادات کی بھرمار ہو جانی چاہئے تھی۔ یہاں یہ حال ہے کہ ہاتھ سے کپڑے سینے کے لیے سوئی تک بھی چین سے آتی ہے۔☆ ہاں البتہ ایک فیلڈ ضرور ایسا ہے جس میں ہم نے خوب ترقی کی منازل طے کی ہیں اور باقی دنیا ہماری ترقی پر دنگ ہے: بدعنوانی، رشوت ستانی، جوڑ توڑ، ذہنی و فکری پستی کی انتہا، ہارس ٹریڈنگ، لوٹ کھسوٹ، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی میں ہم نے دل کھول کر جدت طرازیاں کی ہیں۔ دنیا کی کوئی اور قوم شاید اس میدان میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دیگر اقوام اگر دو قدم پیچھے کی طرف آتی ہیں تو دس قدم آگے بھی جاتی ہیں اور ہم دو قدم آگے جاتے ہیں تو دس بیس قدم پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ اللہ المستعان

ہمارے نئے فارغ التحصیل، ڈگری یافتہ طلباء یہ عزم بالجزم لے کر میدان کارزار میں اترتے ہیں کہ ان کو جو علم حاصل ہوا ہے (اللہ کی مہربانی سے) اس سے وہ خوب فائدہ اٹھائیں گے۔ اگر ڈاکٹر بن کر آیا ہے تو سرکاری نوکری منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے ہوگی، پرائیویٹ کلینک کھولیں گے جہاں مریضوں کا خوب استحصال کیا جائے گا۔ ایم بی بی ایس کرنے میں جتنا خرچہ آیا ہے اُس کو دس بیس سے نہیں سو پچاس سے ضرب دیکر۔ اگر انجینئر ہے تو پھر تو کیا کہنے؟ آپ کے وارے نیارے ہیں۔ لاکھوں کی بلڈنگ میں انجینئر کا حصہ بعض حالات میں تو ففٹی سے بھی زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ کاغذات میں جس بلڈنگ کو شاندار دکھایا گیا ہوتا ہے وہ زمین پر پتھر، ریت اور بجری کا ایک ناقص ڈھانچہ ہوتا ہے۔ سارے پیسے انجینئر صاحب اور ٹھیکیدار صاحب آپس میں طے کردہ شرائط کے مطابق ہضم کر چکے ہوتے ہیں۔ بالاکوٹ اور آزاد کشمیر کے خوفناک زلزلے میں جتنی جانیں تلف ہوئیں، ان کی غالب اکثریت نام نہاد انجینئروں اور تعمیراتی ٹھیکیداروں کے بنائے ہوئے شاہکاروں کی بدولت ہوئیں۔

مسلمانوں میں ایک بڑی خرابی یہ رہی کہ بعض اہل فن علم کو چھپاتے رہے۔ (سوائے علم دین کے) اس کی مثال تاریخ کی کتابوں سے یوں ملتی ہے کہ حکیم عطاء بن رباح نامی شخص نے ایک مصنوعی چاند بنایا تھا، جو کہ چاہ نخشب نامی کنویں سے سورج غروب ہو جانے پر خود بخود طلوع ہو جاتا تھا، اس کے لیے کوئی بٹن دبانا پڑتا تھا نہ میکنزم کو حرکت دینے کی

☆ ہمارا وطن ٹیکنالوجی اور ترقی میں اس قدر پیچھے تو ہرگز نہیں؛ لیکن عین ممکن ہے کہ بجلی کی فراوانی، ٹیکس کی کمی یا دیگر بعض سہولتوں کی وجہ سے چائنا سامان پاکستانی سے زیادہ سستا ہو، اس لیے وہاں سے درآمد ہوتا ہو۔ (ابو محمد)

ضرورت تھی اور نہ ہی کوئی مشین سٹارٹ کرنا پڑتا تھا، اس کے طلوع وغروب کا تعلق سورج کے طلوع وغروب سے تھا۔ گویا وہ آج کی اصطلاح میں ''سولرانرجی'' کا حامل تھا۔ یہ مصنوعی چاند تین سو مربع کلومیٹر کا علاقہ منور رکھتا تھا اور صبح جب سورج طلوع ہو جاتا تو یہ چاند اسی کنویں میں غروب ہو جاتا تھا۔ آج کی یہ ترقی یافتہ دنیا اُس راز سے اب تک بے بہرہ ہے۔ حکیم موصوف اپنا راز سینے میں چھپائے قبر کی پہنائیوں میں گم ہو گئے۔

آج کے اکثر اساتذہ کا طرز عمل یوں نظر آتا ہے کہ وہی مرجع خلائق ہیں اور اگر وہ نہ رہے تو دنیا بڑی اندھیری ہو جائے گی۔ سائنسی معلومات بس انہی پر ختم ہیں۔ لوگ خواہ مخواہ افلاطون، ارسطو اور گیلیلو جیسے لوگوں کا نام لیتے ہیں!

حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ جتنا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو بقدر ظرف دیا ہے، اس پر اِترانے کی بجائے اور زیادہ عاجزی وانکساری اختیار کی جاتی۔ علم کو ''سینگ'' بنا کر سر پر پہن لینے یا ''چونچ'' بنا کر دوسروں کو ٹھونگیں مارنے کے بجائے ''عمل'' بنا کر اپنی زندگی کو اس سے مزین کر لیا جاتا، ''نور'' بنا کر اس کی مدد سے جہالت کے اندھیروں کو بھگا دیا جاتا۔

قرآن کریم میں وقت کے نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا بغرض حصول علم حضرت خضر علیہ السلام کے پاس چلے جانے کا تفصیلی ذکر ہے۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام وقت کے نبی تھے۔ لیکن ایک شخص ایسا بھی تھا جو ایک شعبہ علم میں آپ علیہ السلام سے بھی آگے تھا۔ (اس واقعے سے متعلق دیکھیے: [التراث ۲٤/ ۷٤۔۷۸])

علم ایک سمندر ہے اور کوئی ایسا نہیں جو اس سمندر کو ہضم کر سکے، نہ اس میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔ ایسی دولت ہے جو خرچ کرو تو بڑھتی ہے، حالانکہ دنیاوی مال ومنال خرچ کرنے سے ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ انسان کی حفاظت کرتا ہے جبکہ دنیاوی دولت کی حفاظت انسان کو کرنا پڑتی ہے۔ تمام اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جو اور جتنا علم مجھے اور آپ کو دیا ہے اُسے جنس تجارت نہ بنائیں، اپنی حرص وہوس کو قابو میں رکھیں، ضروریات زندگی کو محدود رکھیں۔

ہمارے اکابرین میں ایسی بہت سی نیک روحیں گزری ہیں جنہوں نے تمام عمر علم کو پھیلانے میں صرف کیا اور یہ سارا وقت فی سبیل اللہ، صرف اللہ پاک کی رضا وخوشنودی کی خاطر، دین کی سربلندی کے لیے، اسلام کی ترویج واشاعت کے لیے آخرت میں مغفرت کی امید پر، جہنم کی ہولناکیوں سے ڈرتے ہوئے خرچ کیا۔ انہی نیک روحوں کی بدولت دین اسلام کی شمع فزوں تر ہو کر اب تک جگمگا رہی ہے۔

آج کے مادہ پرست دور میں ہر چیز مادی فوائد کے نقطہ نظر سے دیکھی، سُنی اور بیان کی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر اور انجینئر تو رہے ایک طرف خطیب اور امام خطبہ اور امامت کے لیے تب تک تیار نہیں ہوتے جب تک ان کو خاطر خواہ معاوضے کا یقین

نہ ہو۔☆ سوال پیدا ہوتا ہے وہ سلف صالحین جنہوں نے بلا معاوضے کے تمام عمر اشاعت دین کے لیے کام کیے کیا وہ سب پاگل تھے؟ لاکھوں کروڑوں کی جائیدادیں بنانے کا نادر موقع انہوں نے کھو دیا! اور تو اور زندگی جھونپڑی نما مکانوں میں گزری ایک ڈھب کا کمرہ بھی تو نہ بن سکا اُن سے۔ وہ کار کو جانتے تھے نہ کوٹھی کو۔ اُن کے جھونپڑے میں کارپٹ تھا نہ قالین تھی، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے تو دور کا بھی واسطہ نہ رکھتے تھے۔ دور حاضر میں ہماری شان وشوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ پیدل چلنا کسر شان ہے۔ جتنی اونچی سواری ہوگی، دیگر معاملات زندگی کو بھی اسی حساب سے دیکھا، پرکھا اور برتا جائے گا۔

جوں جوں مادی ترقی میں ہم آگے بڑھتے جارہے ہیں، توں توں روحانی ترقی میں کمزور تر ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ہم جس چیز کی تبلیغ کرتے ہیں اس کی کامیابی کا ہمیں خود یقین نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ دنیا ہماری پیروی کرنے کے بجائے ہم خود دنیا والوں کی پیروی کررہے ہیں۔ مادی فوائد کا اگر کچھ مقصد ہوتا تو محمد عربی ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اے محمد ﷺ اگر پسند کرو تو میں یہ اُحد پہاڑ سونے کا بنادوں اور تو جہاں جائے وہاں یہ ساتھ ساتھ سفر کرے۔ لیکن محمد عربی ﷺ نے اس بات کو اپنے لیے ناپسند فرمایا۔ انہوں نے فقیری کو ترجیح دی۔'' [الترمذی الزهد باب ٣٥ ح ٢٣٤٧ عن ابی أمامة ٤٩٧/٥ وقال حسن وضعفه الألبانی] اپنے کو مسافر سے تشبیہ دیتے کہ میری مثال اُس مسافر کی سی ہے جو کچھ دیر درخت کی چھاؤں میں آرام کرنے کو رُکا پھر سوئے منزل روانہ ہوگیا۔ [الترمذی الزهدباب ٤٤ عن ابن مسعود ح٢٣٧٧ وقال حسن صحیح]

آج جدید کہلانے والے زمانے میں علمی ترقی کا معیار تعلیمی اداروں کے جاری کردہ اسناد ہیں۔ پہلے زمانے میں انسان کا علم وعمل اور قول وکردار تھا۔ آج کے دور میں جو بات راسخ ہوکر ہم سب کے دماغ میں بیٹھ چکی ہے وہ یہ ہے کہ جس کے پاس بڑی ڈگری ہے وہ یقیناً بہت بڑا آدمی ہے۔ یا پھر وہ بہت بڑا آدمی ہے جس کے پاس بہت سارا روپیہ پیسہ ہے۔

☆ کم از کم جمعیت اہل حدیث بلتستان کی حد تک تو کوئی ایک عالم بھی ایسا نہیں ہے' جو خطبہ، امامت یا وعظ کو تنخواہ یا اجرت سے مشروط کرتا ہو الحمد للہ۔ رہی یہ بات کہ امامت وخطابت کے لیے تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ تو علمائے اسلام نے دور قدیم سے اس پر خالص علمی تحقیق کی ہے اور یہ راجح قول کے مطابق جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو مؤذن مقرر فرما کر درہم کی پوٹلی عنایت فرمائی تھی۔ [متفق علیه]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تک اکابر ملت دینی مدرسین کو باقاعدہ تنخواہیں دیتے تھے۔ واللہ اعلم